لڑکی سے نکاح محض اس کی ماں سے عقدِ نکاح کی بنا پر حرام نہیں ہے۔ ربیبہ سے نکاح اس وقت حرام ہے جب اس کی ماں سے عقدِ نکاح کے بعد تعلقِ زن وشو بھی قائم کر لیا گیا ہو۔ لیکن اگر وہ شخص اپنی بیوی سے تعلقِ زن وشو قائم کیے بغیر اسے طلاق دے دیتا ہے تو یہ لڑکی نکاح کے لیے اس پر حرام نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے: وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ [النساء ۴: ۲۳] (تم پر حرام کی گئیں) اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گود میں پرورش پائی ہے، ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلقِ زن وشو ہو چکا ہو۔

۶۳۔ أصول الجصاص ۱۶۳/۲

۶۴۔ ميزان الأصول ص ۷۵۴۔ فواتح الرحموت ۳۸۰/۲

۶۵۔ ميزان الأصول ص ۷۵۳۔ الإشارة في أصول الفقه ۲۶۶۔ عبدالعزیز بخاری، كشف الأسرار ۲۴/۴۔ قواطع الأدلّة ۳۰۹/۲۔ نهاية السول ۵۶۸/۴۔ ارشاد الفحول ص ۴۳۷۔ احكام الفصول ص ۶۲۲۔ ابن حزم، الإحكام في أصول الأحكام ۱۳۶/۸۔ البحر المحيط في أصول الفقه (دار الكتبي) ۲۸۳/۸

۶۶۔ احمد بن حنبل (م ۲۴۳ھ)، مسند احمد بن حنبل و بهامشه كنز العمال في السنن و الأقوال و الأفعال، المكتب الإسلامي، بيروت، طبع دوم ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ۲۰۵/۴

۶۷۔ سنن الدارقطني، كتاب الأقضية والأحكام ۲۰۳/۴

اسلام میں حدود اللہ کا مفہوم اور دائرہ کار

غازی عبدالرحمٰن قاسمی*

نورالدین جامی**

تعارف:

کسی بھی معاشرہ کے امن وسکون اور اس میں رہنے والے افراد کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی حفاظت میں اس معاشرہ کی بقاء اور استحکام کا دارومدار ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلامی معاشرہ میں اللہ اور بندوں کے حقوق کی حفاظت کا انتظام جو اسلامی ''حدود'' کے نفاذ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد حقوق اللہ کی رعایت کے ساتھ دوسروں کے مال وجان اور عزت وآبرو کی حفاظت کرنا ہے۔

اسلامی حدود میں گو بظاہر سختی معلوم ہوتی ہے مگر ان میں جو فوائد مضمر ہیں وہ شمار نہیں کیے جاسکتے۔ انسانی معاشرہ میں مختلف طبائع اور مزاجوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کو راہ اعتدال میں لانے کے لئے شریعت اسلامیہ نے حدود کو متعارف کرایا ہے۔

''حد'' کی لغوی تحقیق:

حد کی جمع حدود ہے اور اس کے معنی ''رکاوٹ اور روکنا'' کے ہیں۔(۱)

ابن منظور افریقی (م۔۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"الحَدُّ الفصل بين الشيئين لئلا يختلط أحد هما بالآخر"(۲)

''دو چیزوں کے درمیان فاصلہ کرنا تاکہ ایک چیز دوسری سے نہ مل جائے حد کہلاتا ہے۔''

محمد بن ابی بکر رازیؒ (م۔۷۲۱ھ) لکھتے ہیں:

''الحَدُّ الحاجز بين الشيئين''(۳)

''دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ بننے والی شے کو حد کہتے ہیں۔''

شریعت کی اصطلاح میں حدود کا مفہوم:

شریعت کی اصطلاح میں ''حدود'' کا لفظ ''مجرم کے لئے شرعاً واجب ہونے والی مخصوص سزا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔''

---

*لیکچرار، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج، ملتان، پاکستان۔

**انچارج سیرت چیئر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، پاکستان۔

امام ماوردیؒ (م۔۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

''الحدود زواجر وضعها الله تعالیٰ للردع عن ارتكاب ما حظروترک ما أمر''(۴)

''حدود وہ زواجر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ممنوعات کے ارتکاب اور مامورات کے ترک سے باز رکھنے کے لئے مقرر کیا ہے۔''

علامہ حصکفیؒ (م۔۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں:

''الحد لغة المنع وشرعا عقوبة مقدرة وجبت حقا لله تعالیٰ زجرا ''(۵)

''حد کے لغوی معنی ہیں ''روکنا'' اور شریعت میں اس سے مراد ''وہ مقررہ سزائیں'' جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہوتی ہیں۔''

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"الحد في اصطلاح الجمهور غير الحنفية: عقوبة مقدرة شرعاً، سواء أكانت حقاً لله أم للعبد"(٦)

''حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی اصطلاح ''حد شرعاً وہ مقررہ سزا کہلاتی ہے جو حق اللہ یا حق العبد کے طور پر واجب ہو۔''

ان سزاؤں کے لئے سب سے پہلے ''حد'' کا لفظ یا اصطلاح حضور اکرم ﷺ نے استعمال کی ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے امرائے قریش کے کہنے پر جب مخزومی عورت کے لئے سفارش کی کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِاللّٰهِ.''(۷)

''تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے معاف کرنے کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔''

اس پس منظر میں جو سزائیں قرآن وسنت میں مخصوص جرائم کی روک تھام کے لئے طے کردی گئی ہیں ''حدود اللہ'' کہلاتی ہیں۔

قرآن کریم میں لفظ ''حدود'' کا ذکر:

لفظ ''حدود'' قرآن مجید میں دوبار استعمال ہوا ہے۔

۱۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾(۸)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے نکل جائے اللہ اسے آگ میں ڈالے گا اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔''

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے حقوق، وصیت اور وراثت کے مسائل بیان کر کے ان کی حد بندی کر دی ہے اور اس آیت میں بیان کیا جو شخص ان حدود سے تجاوز کرے گا اس کے لئے جہنم کے عذاب کی وعید ہے۔

ابن جریر طبریؒ (م۔۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے جو وراثت کی تقسیم کے ضابطے و اصول دیے ہیں اور ان کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ان کو بجالانا معصیت اور نافرمانی ہے۔ وہ حد اور فاصلہ جو اطاعت اور معصیت کے درمیان واقع ہوتا ہے اس سے تجاوز کرنا، حدود سے آگے بڑھنا ہے جو کہ جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔''(۹)

امام ابو حاتم الرازی (م۔۳۲۷ھ) نے حدود کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ہیں۔

۱۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی (بیان کردہ وراثت کی) تقسیم پر راضی نہ ہوا اور اس سے تجاوز کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا۔''

۲۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:

''جو شخص وراثت کی تقسیم میں اللہ تعالیٰ (کے بیان کردہ قواعد و ضوابط) کی مخالفت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''(۱۰)

۲۔ سورۃ التوبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾(۱۱)

''گنوار (دیہاتی) کفر اور نفاق میں بہت سے سخت ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں ان سے واقف نہ ہوں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔''

اس آیت میں دیہاتی بدوؤں کا ذکر ہے اور ان کی مزاج و طبیعت کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ ان میں کفر و نفاق، شہر کے کفار و منافقین سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ان کی طبیعت اور مزاج میں حد سے زیادہ سختی اور اہل علم و حکمت کی مجلسوں سے دوری ہے۔ ان میں اس بات کی مطلقاً اہلیت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان حدوں کا علم حاصل کریں جو اس نے اپنے

رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کا ماحول ہی ایسا ہے اس لئے کہ نہ قرآن ان کے سامنے نازل ہوتا ہے اور نہ اس کے معانی ومطالب اور احکام سے ان کو واقفیت ہوتی ہے۔

چنانچہ ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

"قال أبو جعفر: يقول تعالى ذكره: الأعراب أشدُّ جحودًا لتوحيد الله وأشدّ نفاقاً، من أهل الحضر في القرى والأمصار. وانما وصفهم جل ثنائه بذلك لجفائهم، وقسوة قلوبهم، وقلة مشاهدتهم لأهل الخير، فهم لذلك اقسى قلوباً، وأقلُّ علماً بحقوق الله"(۱۲)

''اللہ تعالیٰ نے (بدوؤں) اللہ تعالیٰ کی توحید کا شدت سے انکار کرنے کا ذکر کیا ہے اور مزید یہ کہ ان میں شہری منافقوں سے زیادہ نفاق پایا جاتا ہے اور اس صفت کی وجہ ان کا تند مزاج اور سخت دل ہونا ہے۔ اس لئے کہ ان کو اہل شہر کی مجالس کم نصیب ہوتی ہیں۔ اسی لئے ان کے دل سخت ہیں اور ان کو اللہ کے حقوق کا علم بہت کم ہوتا ہے۔''

اس آیت میں ''حدود'' سے مراد حضور اکرم ﷺ کی ''سنن'' ہیں۔ جن کا ان کو بہت کم علم ہے۔(۱۳)

قرآن کریم میں ''حدود اللہ'' کے الفاظ:

''حدود اللہ'' کے الفاظ قرآن مجید میں بارہ مرتبہ آئے ہیں۔

۱۔	البقرہ:۱۸۷	(ایک بار)	۲۔	البقرہ:۲۲۹	(چار بار)
۳۔	البقرہ:۲۳۰	(دو بار)	۴۔	النساء:۱۳	(ایک بار)
۵۔	التوبہ:۱۱۲	(ایک بار)	۶۔	المجادلہ:۴	(ایک بار)
۷۔	الطلاق:۱	(دو بار)			

حدود اللہ کا مفہوم:

امام ابن جریر طبریؒ (م۔310ھ) نے ''حدود اللہ'' کے مفہوم میں درج ذیل اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔	اللہ تعالیٰ کی شرائط	۲۔	اللہ تعالیٰ کی اطاعت
۳۔	اللہ تعالیٰ کے احکام	۴۔	اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض

ان اقوال کو بیان کر کے طبریؒ لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بہتر مفہوم یہ ہے:

"وهو أن حدّ كل شئي ما فصَل بينه وبين غيره،.....فكذلك قوله تلك حدود الله معناه: هذه القسمة التي قسمها لكم ربكم، والفرائض التي فرضها لأحيائكم من موتا كم"(۱۴)

''کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ جو اس چیز اور اس کے علاوہ کے درمیان فاصلہ کرتی ہے۔ تو ''حدود اللہ'' سے مراد

وہ تقسیم جو تمہارے لیے، تمہارے رب نے کردی (کہ اس کی پابندی کرو) اور وہ فرائض جن کو زندگی سے موت تک بجالانا ضروری ہے۔"

اور دوسری جگہ طبریؒ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے جو فرائض مقرر کیے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ان کو بجالانا معصیت اور نافرمانی ہے۔ اطاعت اور معصیت کے درمیان جو چیز فاصلہ کرتی ہیں وہ حد کہلاتی ہے۔ جس سے تجاوز کرنا جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔"(۱۵)

امام ابن ابی زمنینؒ (م۔۳۹۹ھ) لکھتے ہیں:

"ومعنى حدود الله ماحده ممالا تجوز مجاوزته الى غيره."(۱۶)

"اور حدود اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے حد بندی کردی کہ اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔"

امام رازیؒ (م۔۶۰۴ھ) لکھتے ہیں:

"وحدود الله ما يمنع من مخالفتها."(۱۷)

"اور حدود اللہ" سے مراد وہ چیزیں جن کی مخالفت سے منع کیا گیا۔"

امام ابن کثیرؒ (م۔۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

"حدود الله ، أي: شرعها وبيَّنها بنفسه."(۱۸)

"حدود اللہ" سے مراد وہ احکام جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا اور بذات خود انہیں بیان کیا۔"

قاضی بیضاویؒ (م۔۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:

"حدود الله ، محارمه ومناهيه."(۱۹)

"حدود اللہ سے مراد وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا اور ان سے روکا۔"

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا "حدود اللہ" سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام و فرائض ہیں جن کے بجالانے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور ان کی مخالفت معصیت الٰہی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حد بندی کردی کہ اس سے تجاوز نہیں کرنا۔

جیسا کہ حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَ انَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَانَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَانَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ."(۲۰)

''بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو کسی دوسرے کی چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے، تو قریب ہے کہ جانور اس چراگاہ میں سے بھی چر لیں خبردار رہو ہر بادشاہ کے لئے چراگاہ کی حد ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ کی حد اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔''

مذکورہ بحث سے واضح ہوا کہ حدود اللہ کے الفاظ قرآن کریم نے مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیے ہیں۔ مگر شریعت اور فقہ کی اصطلاح میں یہ لفظ ''حدود'' ان سزاؤں کے ساتھ خاص ہو گیا ہے جو حق اللہ اور حق العبد کے طور پر واجب ہوتی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ممنوعات کے ارتکاب اور مامورات کے ترک سے باز رکھنے کے لئے مقرر کیا ہے۔

سابقہ مذاہب میں حدود:

گزشتہ شریعتوں میں حدود کی تعداد تین تھی۔

۱۔ قتل میں قصاص ۲۔ زنا میں رجم ۳۔ چوری میں ہاتھ کاٹنا

یہی تین سزائیں سابقہ آسمانی شرائع میں مسلسل چلی آ رہی ہیں اور ان پر تمام انبیاء اور امتیں متفق ہیں۔(۲۱)

اسلام میں حدود کا دائرہ کار:

اسلام نے ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے حد بندی کی ہے جو انفرادی اور اجتماعی و معاشرتی زندگی کو متاثر کر کے نقصان کا باعث بن سکتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م۔۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

''چند ایسے جرائم جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر کیں ہیں ان میں تبدیلی کا کسی کو حق نہیں اس قسم کے جرائم میں عذاب آخرت سے ڈرانا کافی نہیں ہے بلکہ سخت ملامت اور دردناک سزا ضروری ہے۔ یہ وہ جرائم ہیں جن میں مختلف جہتوں سے مفاسد اور نقصانات جمع ہیں اور زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ ایسے سنگین جرائم پانچ ہیں۔ زنا، چوری، راہ زنی، شراب نوشی اور زنا کی تہمت۔''(۲۲)

چنانچہ شریعت اسلامیہ نے ان ''حدود'' سے تجاوز کرنے پر وہی سزائیں مقرر کیں جو سابقہ شریعتوں میں تھیں۔ مگر کچھ تبدیلیاں بھی کی ہیں۔

حد قطع ید:

''قطع ید'' کی سزا کو شریعت اسلامیہ نے ویسے ہی برقرار رکھا جیسا کہ سابقہ شریعتوں میں تھی اور اس میں کچھ تخفیف اور تبدیلی نہیں کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾(۲۳)

''اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

قطع ید کے لئے شرائط:

۱۔ مال محفوظ کو چرایا گیا ہو۔ ۲۔ محفوظ جگہ سے چرایا گیا ہو۔
۳۔ بلا اجازت چرایا گیا ہو۔ ۴۔ وہ مال کسی دوسرے کی ملکیت ہو۔
۵۔ خفیہ طریقے سے یعنی چھپا کر مال چرایا گیا ہو۔ ۶۔ چرانے والا عاقل و بالغ ہو۔
۷۔ جس چیز کو چرایا گیا ہو وہ مال متقوم ہو۔ ۸۔ مال مسروق نصاب تک پہنچا ہو۔ (۲۴)

''نصاب سرقہ'' جس پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ''نصاب سرقہ'' ایک دینار یا دس درہم یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کے بقدر مال چرانا ہے۔ جمہور فقہاء مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک سونے سے ''ربع دینار'' یا خالص چاندی سے ''تین درہم'' کی چوری پر قطع ید کیا جائے گا۔ (25) چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا۔؟ اس میں بھی اہل علم کا نقطہ نظر مختلف ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک چور کا ہاتھ ''کوع'' (گھٹ) سے کاٹا جائے گا۔ جب کہ بعض اہل علم کے نزدیک انگلیوں سے کاٹا جائے گا۔ (۲۶)

شریعت اسلامیہ نے سابقہ شرائع میں جو سزائیں تھیں ان کو باقی رکھتے ہوئے کچھ تبدیلیاں بھی کی ہیں۔

پہلی تبدیلی: سخت سزاؤں میں تخفیف کی۔

قصاص:

مثلاً سابقہ امتوں پر قتل عمد میں قصاص ہی متعین تھا۔ جب کہ ہماری شریعت میں ''قتل عمد'' میں متعین طور پر قصاص واجب نہیں کیا۔ بلکہ اس میں معافی اور دیت کی گنجائش رکھی۔ چنانچہ قصاص کا حکم بیان کرنے کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ (۲۷)

''ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اتباع کرنی چاہیے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے۔''

اسی طرح حدیث میں ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''بنی اسرائیل میں قصاص تھا اور دیت کا دستور نہ تھا۔'' (۲۸)

ہماری شریعت میں جو دیت کی گنجائش رکھی گئی وہ گزشتہ امتوں کے لحاظ سے تخفیف ہے۔ واضح رہے کہ حنفیہ کے

علاوہ جمہور فقہاء نے قصاص کو ''حدود'' میں شامل کیا ہے۔(۲۹) مگر حنفیہ نے قصاص کو ''حدود'' میں شمار نہیں کیا۔ اس لئے کہ اس میں بندے کا حق ہے اور شریعت نے معافی وصلح کا اختیار بھی دیا ہے۔

امام کاسانیؒ حنفی (م۔۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

''الحد في الشرع عبارة عن عقوبة مقدرة واجبة حقا للّٰه تعالىٰ بخلاف التعزير فانه ليس بمقدر قديكون بالضرب وقد يكون بالحبس وقد يكون بغيرها وَبخلاف القصاص فانه وان كان عقوبة مقدرة لكنه يجب حقا للعبد حتى يجري فيه العفو والصلح''(۳۰)

''حد شریعت میں وہ مقررہ سزا ہے جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہے۔ بخلاف تعزیر کے کہ اس کی مقدار مقرر نہیں ہے، تحقیق کبھی وہ مار پٹائی کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی قید کے ساتھ، اور کبھی ان دونوں کے علاوہ کے ساتھ، اور بخلاف قصاص کے اگرچہ وہ مقررہ سزا ہے لیکن اس میں بندے کا حق ہے پس اس میں معافی اور صلح بھی چل جاتی ہے۔''

حد زنا:

زنا کی سزا سابقہ امتوں میں سنگساری تھی مگر ہماری شریعت میں یہ سزا صرف شادی شدہ زانی کے لئے رکھی گئی ہے۔(۳۱) اور غیر شادی شدہ زانی کے لئے سو کوڑے تجویز کیے گئے ہیں۔(۳۲) یہ اس امت کے لئے تخفیف ہے۔

حد زنا کی شرائط:

واضح رہے کہ ''رجم'' کی سزا کے لئے ''احصان'' شرط ہے۔ یعنی وہ شخص:

۱۔ عاقل ہو۔ ۲۔ بالغ ہو۔

۳۔ مسلمان ہو۔ ۴۔ آزاد ہو۔

۵۔ نکاح صحیح کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کر چکا ہو۔

جس میں یہ مذکورہ بالا صفات پائی جاتی ہوں وہ شخص ''محصن'' کہلائے گا اور اگر وہ زنا کا مرتکب ہو جائے تو اس کو ''رجم'' کیا جائے گا۔(۳۳) مگر اس حد کے نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ خود اپنے جرم کا اقرار کرے اس پر پھر ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حد کے جاری ہونے کے لیے زانی کا صرف ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے۔ جب کہ امام ابوحنیفہؒ، ابن ابی لیلیٰؒ اور دیگر اہل علم کے نزدیک زانی کا چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔(۳۴) یا چار عادل، مسلمان، آزاد، مرد گواہ اس کے فعل کو اس طرح بیان کریں کہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے جسے فقہاء ''كالميل في المكحلة'' سے تعبیر کرتے ہیں۔(۳۵)

امام مالکؒ کے نزدیک اگر کسی کنواری عورت کو حمل ہو جائے یا ایسی عورت کو جس کا شوہر اس سے دور ہے تو یہ ''حمل'' بھی ثبوت زنا کا ذریعہ ہے۔اس پر حد جاری ہوگی۔مگر حنفیہ کے نزدیک محض حمل کی وجہ سے کسی عورت پر حد نہیں جاری کی جاسکتی اس لئے کہ عین ممکن ہے اس کے ساتھ کسی نے زیادتی کی ہو۔تاہم اگر وہ اپنے جرم کا اعتراف کرلے تو پھر اس پر حد جاری ہوگی۔(۳۶) لیکن اگر کسی عورت کے ساتھ زبردستی بدکاری کی گئی تو تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔(۳۷)

دوسری تبدیلی: مزید چند جرائم کے لئے یہی سزائیں مقرر کیں۔

حد شرب خمر:

مثلاً شراب نوشی کی سزا کوڑوں سے مقرر کی گئی ہے۔قرآن کریم میں تو شراب کی حد بیان نہیں ہوئی مگر احادیث مبارکہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے:

''كُنَّا نُؤتَى بِالشَّارِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَامْرَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُومُ إِلَيْهِ بِأَيْدِينَا وَنِعَالِنَا وَأَرْدِيَتِنَا حَتَّى كَانَ آخِرُ إِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ أَرْبَعِينَ حَتَّى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِينَ.''(۳۸)

''سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور حضرت عمرؓ کی ابتدائی خلافت کے زمانہ میں ہم لوگ شراب پینے والوں کو لاتے تو ہم لوگ ہاتھوں، جوتیوں اور چادروں سے اسے مارتے۔حضرت عمرؓ کی خلافت کا آخری زمانہ آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے اور جب ان شرابیوں نے زیادہ سرکشی کی اور فسق کرنا شروع کیا تو انہوں نے اسی کوڑے لگوائے۔''

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ شرابی کو ہاتھوں، جوتیوں اور چادروں سے مارا جاتا تھا اور بعض روایات میں ٹہنی کے ساتھ مارنے کا ذکر ہے۔(۳۹) اور بعض روایات میں کھجور کی دو ٹہنیاں چالیس کے قریب مارنے کا ذکر ہے۔جیسا کہ ترمذی کی روایت آگے آرہی ہے۔اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے شرابی کو کوڑے بھی مارے ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے:

''قَالَ جَلَدَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ وَأَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ وَ كَمَّلَهَا عُمَرُ ثَمَانِينَ وَكُلٌّ سُنَّةٌ''(۴۰)

''کہ رسول اللہ ﷺ نے اور حضرت ابو بکرؓ نے شراب کی حد چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمرؓ نے انہیں اسی تک پورا کیا اور سب طریقے سنت ہیں۔''

مگر کسی روایت سے یہ ثابت اور واضح نہیں ہے کہ آپؐ نے شرابی کی حد میں کوڑوں کی کوئی متعین تعداد مقرر کی تھی۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں کوڑوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ مگر جب حضرت عمر فاروقؓ کا دورِ خلافت آیا تو شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر کے اس کی حد مقرر کی۔

چنانچہ ترمذی کی روایت میں اس کی تفصیل ملتی ہے:

"عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَضَرَبَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ الْأَرْبَعِينَ وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ اسْتَشَارَ النَّاسَ فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ كَاخَفِّ الْحُدُودِ ثَمَانِينَ فَأَمَرَبِهِ عُمَرُ." (۴۱)

"حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا اس نے شراب پی تھی آپ نے اسے کھجور کی دو چھڑیاں چالیس کے قریب ماریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اسی پر عمل کیا پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے اسی کا حکم دیا۔"

اس حدیث کو نقل کر کے امام ترمذیؒ (م۔۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:

"قال أبو عيسى حديث أنس حسن صحيح والعمل على هذا ثم أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغير هم أن حد السكران ثمانون." (۴۲)

"یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرامؓ اور تابعین اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ شرابی کی حد اسی کوڑے ہیں۔"

امام ابوالحسن ماوردیؒ (م۔۴۵۰ھ) لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ کے دور حکومت میں شراب کی حد چالیس کوڑے تھے پھر جب حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا تو لوگوں کی شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے آپؓ نے حد خمر کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ بن ابی طالب نے مشورہ دیا کہ جب بندہ شراب پیتا ہے تو مدہوش ہو جاتا ہے اور مدہوشی کے عالم میں وہ ہذیان بکتا ہے اور جب وہ ہذیان بکتا ہے تو لوگوں پر الزام تراشی کرتا ہے اور تہمت لگانے والے کی سزا اسی کوڑے ہے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ سب سے ہلکی حد اسی کوڑے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے باہمی مشاورت کے بعد اسی (۸۰) کوڑے حد مقرر کی اور اپنی بقیہ زندگی میں شراب پینے والے کو اسی کوڑے لگائے۔" (۴۳)

علامہ ابن رشد مالکیؒ (م۔۵۹۵ھ) لکھتے ہیں:

"تشاور عمر والصحابة لما كثر في زمانه شرب الخمر واشارة علي عليه بأن يجعل الحد ثمانين قياسا على حد الفرية فانه كما قيل عنهؓ اذا شرب سكر واذا سكر هذى واذا هذى افترى" (۴۴)

''حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب شراب نوشی زیادہ ہوئی تو آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی، تو حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ اس کی حد اسی کوڑے مقرر کی جائے۔ قذف کی حد پر قیاس کرتے ہوئے، اس لئے کہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو ہوش کھو بیٹھتا ہے اور جب مدہوش ہو جائے تو پھر ہذیان بکتا ہے اور جب وہ بکواس کرتا ہے تو پھر تہمتیں لگاتا ہے۔''

مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ شراب کی حد صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ثابت ہے۔ اور قاضی عیاض (م۔۵۴۴ھ) نے بھی صحابہ کرامؓ کے اس اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔(۴۵)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (م۔۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"وأما حد الشرب: فانه ثابت بسنة رسول الله ﷺ واجماع المسلمين."(۴۶)

''اور بہر حال شراب کی حد، پس بے شک وہ حضور اکرم ﷺ کی سُنت اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔''

امام زرقانیؒ (م۔۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں:

"قال ابن عبدالبر وانعقد عليه اجماع الصحابة ولا مخالف لهم منهم وعليه جماعة التابعين وجمهور فقهاء المسلمين ."(۴۷)

''ابن عبدالبر نے کہا کہ صحابہ کرامؓ کا شرب خمر کی حد پر اجماع منعقد ہوا تھا اور ان میں سے کسی نے مخالفت نہیں کی اور تابعین کی جماعت اور جمہور مسلمان فقہاء کا یہی مسلک ہے۔''

چنانچہ حدیث انس اور صحابہ کرامؓ کے اس اجماع کے پیش نظر جمہور فقہاء کے نزدیک شرابی کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ جمہور فقہاء کے موقف اور استدلال کو امام ماوردیؒ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جمہور فقہاء کے نزدیک شراب کی حد اسی کوڑے ہیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کا حد قذف پر حد شرب خمر کا قیاس کرنا آپ ﷺ کے فعل کے موافق ہے۔ کہ آپ ﷺ نے ایک شرابی کو کھجور کی دو ٹہنیاں چالیس ماریں تو یہ مجموعی طور پر اَسی ہوگئیں۔''(۴۸)

جمہور کے موقف کی مزید وضاحت درج ذیل ہے:

آپ ﷺ نے شراب پینے والے شخص کو دو ٹہنیاں ماریں اس میں دونوں احتمال ہیں چالیس کا بھی اور اَسی کا بھی لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے یہ مشورہ دیا کہ شراب کی حد سب سے ہلکی حد کے برابر ہو اور وہ ''حد قذف'' ہے۔ لہٰذا اس کے برابر اَسی کوڑے سزا ہونی چاہیے۔ گویا ان کی اس بات کا مفہوم یہ نکلا کہ اگر ہم ان دو ٹہنیوں کو مدنظر رکھیں تو مجموعی تعداد اَسی بنتی ہے اور یہ تعداد سب سے ہلکی حد ''حد قذف'' کے برابر ہے۔ اس لئے ''شرب خمر'' کی حد میں اَسی کوڑے مقرر کرنا

زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اسی کے مطابق حکم دے دیا۔

مگر علامہ شوکانیؒ (م۔1255ھ) نے شرب خمر کی حد کے حوالہ سے اجماع صحابہ کے دعوی کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"أن دعوى اجماع الصحابة غير مسلمة فان اختلافهم في ذلك قبل امارة عمر وبعدها."(۴۹)

''بے شک اجماع صحابہ کا دعویٰ کرنا تسلیم نہیں، اس لئے کہ شرب خمر کی حد میں صحابہ کرامؓ کا حضرت عمرؓ کی امارت سے پہلے اور بعد میں بھی اختلاف رہا۔''

علامہ شوکانیؒ کے اس موقف کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت سے پہلے ''شرب خمر'' کی حد کے بارے میں اختلاف تھا۔ اسی لئے تو حضرت عمرؓ نے باہمی مشاورت کی تاکہ اس مسئلہ کو کوئی حل تلاش کیا جاسکے اور وہ اسی کوڑے کی صورت میں طے ہوگیا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کے بعد پھر صحابہؓ دوبارہ اس مسئلہ میں اختلاف کرنا یہ قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مشاورت کا مقصد ہی یہ تھا کہ اختلاف ختم ہوجائے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں اسی کوڑے لگوائے۔(۵۰)

امام شافعیؒ کے نزدیک شرابی کی حد چالیس کوڑے ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ نے ''شرب خمر'' کی حد مقرر نہیں کی بلکہ مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے ہاتھوں اور جوتوں سے سزا دی ہے اور احادیث میں چالیس کا بھی ذکر ہے۔(۵۱) نیز شوافع کے نزدیک اصلی انگوری شراب پی ہو یا کوئی دوسری نشہ آور شراب پی ہو تو چالیس کوڑے ہی اس کی ''حد'' ہے۔(۵۲)

اور حضرت علیؓ کے اس قول سے بھی امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے:

"مَا كُنْتُ لِأُقِيمَ حَدًّا عَلَى أَحَدٍ فَيَمُوتَ فَأَجِدَ فِي نَفْسِي إِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهُ وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهُ."(۵۳)

''میں جس شخص پر حد قائم کروں اور وہ مرجائے تو مجھ کو رنج نہ ہوگا، بجز شراب پینے والے کہ اگر وہ مرجائے تو میں اس کی دیت دوں گا۔ کیونکہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔''

تاہم امام شافعیؒ کے نزدیک امام تعزیری طور پر اسی کوڑے تک سزا دے سکتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ نہیں۔(۵۴)

بہرکیف اتنی بات تو تمام فقہاء کے نزدیک مسلمہ ہے کہ جن جرائم کے ارتکاب پر حدود نافذ ہوں گی ان میں شراب نوشی بھی ہے۔ مگر اس کی مقدار ''حد'' میں اختلاف ہے۔ جمہور کے ہاں اس کی مقدار اسی کوڑے اور شوافع کے ہاں چالیس کوڑے ہیں۔

واضح رہے کہ اصلی انگوری شراب قلیل مقدار میں پی ہو یا کثیر، دونوں صورتوں میں حد جاری ہوگی اور حد کا جاری ہونا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ نشہ والی کیفیت بھی پیدا ہو جائے۔(۵۵)

حد شرب خمر کی شرائط:

۱۔ شراب پینے والا عاقل ہو۔ ۲۔ بالغ ہو۔

۳۔ مسلمان ہو۔ ۴۔ زبردستی نہ پلائی گئی ہو۔

۵۔ مجبوری کی حالت میں نہ پی گئی ہو۔(مثلاً جان کا خطرہ اور پینے کے لئے اور کوئی چیز موجود نہ ہو)

۶۔ شراب میں پینے کے وقت خمریت پائی جاتی ہو۔(یعنی اصلی انگوری شراب ہو) اگر اس میں کوئی دوسری چیز مثلاً پانی وغیرہ اس قدر ملا دیا گیا کہ اس میں خمریت ختم ہوگئی تو پھر حد جاری نہیں ہوگی۔(۵۶)

حد سکر:

حنفیہ نے ''حد شرب خمر'' اور ''حد سکر'' کے درمیان فرق کیا ہے ان کے نزدیک حدود میں ''حد سکر'' بھی شامل ہے۔ یعنی اصلی انگوری شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور مشہور شرابیں مثلاً کھجور، کشمش وغیرہ کی بنی ہوئی شراب پی کر نشہ والی کیفیت پیدا ہوگئی تو اس پر بھی مذکورہ بالا حد لاگو ہوگی۔ اگر نشہ طاری نہ ہوا تو حد جاری نہ ہوگی۔(۵۷) مگر جمہور فقہاء نے ''حد شرب خمر'' اور ''حد سکر'' کے درمیان فرق نہیں کیا ان کے نزدیک ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور اس کی حرمت کا حکم ویسے ہی جیسے اصلی انگوری شراب کا حکم ہے اور اس کے پینے والے پر بھی حد واجب ہوگی۔(۵۸)

حد قذف:

اور اسی طرح ہماری شریعت میں تہمت کی سزا بھی کوڑوں سے مقرر کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾(۵۹)

''اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسی درے مارو۔''

حد قذف کی شرائط:

۱۔ قاذف (تہمت لگانے والا) عاقل ہو۔ ۲۔ بالغ ہو۔

۳۔ اپنے بات کی تصدیق میں چار گواہ نہ پیش کر سکا ہو۔

۴۔ مقذوف (جس پر تہمت لگائی جا رہی ہے) معلوم ہو، مجہول نہ ہو۔

۵۔ مقذوف ''محصن'' ہو۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ احصان کی تعریف پیچھے گزر گئی ہے۔ لہٰذا بچہ، مجنون، غلام اور کافر پر حد قذف

جاری نہیں ہوگی۔

۶۔ قاذف، مقذوف کا باپ یا دادا نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ہوا تو اس پر بھی حد جاری نہیں ہوگی۔

۷۔ قاذف نے واضح زنا کے الفاظ کے ساتھ تہمت لگائی ہو۔ الفاظ کنایہ کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔ (۶۰)

۳۔ شریعت اسلامیہ نے راہزنی کی سزا سخت کر دی۔

حد راہزنی:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ (۶۱)

''ان کی بھی یہی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں یہ کہ ان کو قتل کیا جائے یا وہ سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں یہ ذلت ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

اس آیت کریمہ میں راہزنی کی چار سزائیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ ان کو قتل کیا جائے۔ ۲۔ یا سولی پر چڑھا دیا جائے۔

۳۔ یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں۔

۴۔ یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔

مذکورہ بالا سزاؤں کا نفاذ راہزنی کے مختلف واقعات کے اعتبار سے ہوگا۔ چنانچہ مفسر قرآن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

''اِذَا قَتَلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ قُتِلُوا وَصُلِبُوا وَاِذَا قَتَلُوا وَلَمْ یأخُذُوا الْمَالَ قُتِلُوا وَلَمْ یُصْلَبُوا وَاِذَا أَخَذُوا الْمَالَ وَلَمْ یَقْتُلُوا قُطِعَتْ أَیْدِیهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَاِذَا أَخَافُوا السَّبِیْلَ وَلَمْ یَأْخُذُوا مَالاً نُفُوا مِنَ الأَرْضِ.'' (۶۲)

''جب راہزنوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو انہیں قتل کیا جائے گا اور سولی پر چڑھایا جائے گا اور اگر انہوں نے قتل کیا اور مال نہیں لوٹا تو انہیں قتل کیا جائے گا اور سولی نہیں چڑھایا جائے گا اور اگر انہوں نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے تو ان کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں گے اور جس نے راستہ میں خوف و ہراس

پھیلایا اور مال نہیں چھینا ان کو جلاوطن کیا جائے گا۔''

امام ابوحنیفہؒ نے آیت کریمہ (اَوْیُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ) سے قید کرنا مراد لیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمود آلوسی (م۔۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

''والمراد بالنفی عندنا هو الحبس والسجن''.(۶۳)

''اور نفی سے مراد ہمارے نزدیک قید کرنا ہے۔''

آج کے اس دور میں جب کہ اکثریت کی خواہش ہے کہ وہ بیرون ملک جائیں۔ اگر ایسے کسی آدمی کو جلاوطن کیا گیا جو کہ پہلے سے ہی بیرون ملک جانے کا خواہش مند تھا تو اس جلاوطنی کی سزا کا مقصد حاصل نہ ہوا۔ لہٰذا حنفیہ نے جو اس آیت کا مفہوم لیا ہے اگر اس کے مطابق اس مجرم کو قید و بند میں رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ واضح رہے کہ اگر ان راہزنوں نے حکومت کی گرفت میں آنے سے قبل توبہ کر لی تو ان پر یہ ''حد'' لاگو نہیں ہوگی۔

جیسا کہ اس سے اگلی آیت میں ہے:

﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾(۶۴)

''مگر جنہوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

امام جصاصؒ (م۔370ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فشرط في زوال الحد عن المحاربين وجود التوبة منهم قبل القدرة عليهم.''(۶۵)

''محاربین سے حد کے زائل ہونے کی شرط ان پر قدرت کے پائے جانے سے پہلے ان کی جانب سے توبہ کا پایا جانا ہے۔''

حد راہزنی کی شرائط:

۱۔ راہزنی کرنے والا عاقل ہو۔ ۲۔ بالغ ہو۔

۳۔ مسلمان یا ذمی کا مال چھینا ہو۔ ۴۔ راہزنی کرنے والا، جن کو لوٹ رہا ہے ان کا ذی رحم محرم نہ ہو۔

۵۔ مال متقوم کو لوٹا گیا ہو۔ ۶۔ راہزنی کا یہ واقعہ دارالاسلام میں پیش آیا ہو۔(۶۶)

واضح رہے کہ جمہور فقہاء نے ''حد راہزنی'' کو حدود میں شمار کیا ہے۔(۶۷) مگر حنفیہ نے ''حد راہزنی'' کو مستقل ''حدود'' میں شمار کیا نہیں بلکہ اس کو سرقہ کے مفہوم میں داخل کیا ہے۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی احناف کا موقف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''أما قطع الطريق فهو داخل تحت مفهوم السرقة بالمعنى الأعم.''(۶۸)

''بہر حال راہزنی وہ سرقہ کے مفہوم میں داخل ہے مشہور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے۔''

حنفیہ نے راہزنی کو حد سرقہ میں اس لئے شامل کیا ہے کہ راہزنی بڑے پیمانے پر چوری کی واردات ہے۔ اگر چہ ''سرقہ'' کی مطلقا تعریف اس پر صادق نہیں آتی اس لئے کہ ''چوری کہتے ہیں خفیہ طریقے سے کسی کا مال لے جانا'' جب کہ راہزنی تو سرعام کھلم کھلا ہوتی ہے۔ مگر مجازی طور پر ''سرقہ'' کا مفہوم اس پر صادق آتا ہے کہ حاکم وقت اور حفاظت کرنے والے سپاہیوں سے راہزنی کی واردات مخفی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"وقد ألحق الحنفيه حد الحرابة بحد السرقة لأن قطع الطريق يسمى سرقة كبرى، الا أنه ليس بسرقة مطلقة، فان السرقة هي الأخذ كما يتبادر الى الذهن، وانما يطلق عليه اسم السرقة مجازاً بسبب الاخفاء عن الامام أو عن حراسه لحفظ الطريق."(٦٩)

''اور تحقیق حنفیہ نے حرابہ (راہزنی) کی حد کو سرقہ کے ساتھ لاحق کیا ہے۔ اس لئے کہ راہزنی کا نام بڑی چوری رکھا جاتا ہے۔ اگر چہ یہ مطلق چوری نہیں ہے، اس لئے کہ چوری کہتے ہیں خفیہ سے کوئی چیز لے لینا جیسا کہ ذہن اسی مفہوم کی طرف جاتا ہے اور مجازی طور پر حرابہ (راہزنی) پر چوری کے نام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ بھی امام وقت اور راستہ کی حفاظت کرنے والے پہرے داروں سے مخفی ہوتی ہے۔''

حد ارتداد:

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک ''حد ارتداد'' بھی حدود میں شامل ہے۔(۷۰)

مرتد کی تعریف:

جو شخص کفریہ کام کر کے یا استہزاءً، یا عناداً یا اعتقاداً کفریہ کلمات منہ سے نکال کر دین اسلام سے کفر کی طرف پھر جائے تو وہ ''مرتد'' کہلاتا ہے۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کر دے یا رسولوں کی نفی کر دے یا رسولوں کو جھٹلائے، یا ایسی چیز کو حلال جانے جس کی حرمت پر اجماع ہے مثلاً بدکاری اور شراب نوشی کو حلال سمجھے، یا ایسی چیز کو حرام قرار دے جس کے حلال ہونے پر اجماع ہے۔ مثلاً نکاح وغیرہ یا فرض نمازوں کی مقررہ رکعتوں کی نفی کرے یا قرآن مجید یا حدیث مبارکہ کی کتابوں کو توہین کرے ہوئے (العیاذ باللہ) انہیں گندگی میں ڈالے تو وہ شخص مرتد ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔(۷۱)

مرتد کے قتل پر اہل علم کا اتفاق:

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے جو قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا ان کے قتل پر اجماع ہوا تھا۔(۷۲) لہٰذا جب عاقل و بالغ مرتد نے اپنے ارتداد سے توبہ نہ کی اور اس کا ارتداد اس کے اقرار یا گواہی کے ساتھ ثابت رہا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ تمام اہل علم کا مرتد کے قتل کے وجوب پر اتفاق ہے۔(۷۳) اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوهُ.''(۷۴)

''جو شخص دین تبدیل کرلے اس کو قتل کردو۔''

ایک اور حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ.''(۷۵)

''کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو، مگر تین باتوں میں سے کسی ایک وجہ سے، ایک یہ کہ شادی شدہ مرد بدکاری کرلے، اور دوسری یہ کہ جان کے بدلے جان، اور تیسری وجہ کہ وہ شخص اپنے دین کو چھوڑنے والا ہو (یعنی مرتد ہو جائے) اور جماعت سے الگ ہو جائے۔''

لیکن اگر عورت مرتدہ ہو تو جمہور فقہاء کے نزدیک اسے بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا:

''أيما رجل ارتد عن الاسلام فادعه فان عاد والا فاضرب عنقه وأيما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فان عادت والافاضرب عنقها.''(۷۶)

''جو شخص اسلام سے پھر جائے اس کو قبول اسلام کی دعوت دینا اگر وہ لوٹ آئے تو صحیح وگرنہ اس کی گردن مار دینا اور جو عورت اسلام سے پھر جائے اس کو بھی دعوت دینا اگر لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اس کی بھی گردن مار دینا۔''

مگر حنفیہ کے نزدیک مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اس کو قید میں رکھ کر اسلام کی طرف مجبور کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے یا وہیں قید میں مر جائے۔ حنفیہ کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان:

''لَاتَقْتُلُوا امْرَأَةً.''(۷۷)

''عورت کو مت قتل کرو۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

''نَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ.''(۷۸)

''نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے قتل سے منع کیا۔''

چونکہ حنفیہ کے نزدیک مرتد کا قتل فساد کے ''شر'' کو دور کرنے کے لئے ہے نا کہ اس کے کفر کے سبب سے ہے۔ لہٰذا جہاں سے فساد کا اندیشہ ہے وہاں قتل کرنا خاص ہوگا اور وہ مرد کی طرف سے نہ کہ عورت کی طرف سے، اس لئے مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا اور جمہور فقہاء کے نزدیک مرتدہ عورت کے قتل کی علت ''کفر'' ہے اس لئے اسے قتل کیا جائے گا۔(۷۹)

تاہم حنفیہ کے نزدیک مرتد کو قتل کرنے سے پہلے توبہ پر آمادہ کرنا مستحب ہے اور اس احتمال کے ساتھ اسلام پیش کرنا کہ شاید وہ اسلام لے آئے یہ بھی مستحب ہے مگر واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی دعوت تو اس کو پہنچ چکی ہے، مگر جمہور فقہاء کے نزدیک مرتد پر اسلام پیش کرنا واجب ہے۔ اگر وہ اسلام لے آئے تو اسے خوش آمدید کہا جائے گا اور اگر وہ انکار کرتا ہے تو امام وقت غور وفکر کرے اگر اس کے توبہ کرنے کی امید ہو یا وہ سوچ وبچار کے لئے مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی لیکن اگر اس کی توبہ کی امید نہ ہو اور نہ وہ مہلت کا سوال کرے تو اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔ (۸۰)

ارتداد کی شرائط:

۱۔ عاقل ہو، مجنون اور غیر عاقل بچہ کے ارتداد کا اعتبار نہ ہوگا۔ ۲۔ بالغ ہو۔

۳۔ ایسا نشہ نہ کیا ہو کہ جس سے عقل زائل ہو جائے اور اس حالت میں اس کی طرف سے ارتداد پایا جائے۔

۴۔ ارتداد کے لئے مجبور نہ کیا گیا ہو، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ مجبور کے ارتداد کا اعتبار نہ ہوگا۔ جب کہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ (۸۱)

حدود کی تعداد میں اضافہ کی وجہ:

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک حدود کی تعداد پانچ ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک اس کی تعداد پانچ سے زیادہ ہے۔ بعض اہل علم نے حدود کی تعداد تیرہ تک بیان کی ہے۔

چنانچہ ابن جزی مالکیؒ (م۔۷۴۱ھ) لکھتے ہیں:

''جن جرائم پر سزائیں واجب ہوتی ہیں وہ تیرہ ہیں، قتل، جرح، زنا، قذف، شرب، خمر، بغاوت، حرابہ، ارتداد، زندقہ، اللہ تعالیٰ کو گالی دینا اور انبیاء وملائکہ کو گالی دینا، جادو کرنا اور نماز وروزہ کا ترک کرنا۔'' (۸۲)

حدود کی تعداد میں اختلاف کی وجہ دراصل حدود کے مفہوم کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ''وہ سزائیں جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں حدود کہلاتی ہیں۔'' اس لئے حنفیہ کے نزدیک حدود کی تعداد پانچ ہے کما مر جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ''لفظ حدود کا ہر اس مقررہ سزا پر اطلاق ہوتا ہے اور جو حق اللہ کی رعایت کے لئے ہو یا بندوں کے حق کی رعایت کے لئے ہو۔'' اس تعریف میں وسعت ہے اس لئے حدود کی تعداد کے بیان کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ (۸۳)

حدود میں احتیاط:

حدود کے اجراء میں شریعت نے نہایت احتیاط سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنْ كَانَ لَهُ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِيلَهُ فَإِنَّ الْإِمَامَ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعَفْوِ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ يُخْطِئَ فِي الْعُقُوبَةِ'' (۸۴)

''جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حد کو دور کرو، اور اگر اس کے لئے حد سے نکلنے کا کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، اس لئے کہ امام کا معافی میں غلطی کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا میں غلطی کرے۔''

ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ادْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ''(۸۵)

''شبہات سے حدود کو دور کرو۔''

چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی کتب حدیث میں موجود ہے:

''لَأَ أُعَطِّلُ الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُقِيمَهَا فِي الشُّبُهَاتِ''(۸۶)

''حدود کو شبہات کے ذریعہ ساقط کروں میرے لئے اس بات سے زیادہ بہتر ہے کہ شبہات کی موجودگی میں حدود قائم کروں۔''

معلوم ہوا جرائم کی روک تھام کے لئے اگر شریعت نے سخت سزائیں مقرر کی ہیں تو ان کے نفاذ کے لئے کڑی شرائط بھی رکھی ہیں جن کے پائے جانے کے بعد ہی ''حد'' نافذ ہوگی اور ساتھ حدود کے نفاذ میں اس قدر احتیاط کا حکم دیا کہ شبہات کی موجودگی میں ''حد'' جاری سے منع کیا۔

دارالاسلام سے باہر حد کا حکم:

اگر کسی نے دارالاسلام سے باہر، دارالحرب میں ایسا جرم کیا جس کے ارتکاب پر حد جاری ہوتی ہے تو دارالحرب میں اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ خواہ وہ اس کے بعد دارالاسلام لوٹ آئے اس لئے کہ جرم دارالحرب میں واقع ہوا وہاں پر امام کا اختیار نہیں ہے اور دارالاسلام میں امام کو اختیار ہے مگر یہاں جرم نہیں واقع ہوا۔

چنانچہ امام کاسانیؒ حنفی لکھتے ہیں:

"أن يكون قطع الطريق في دار الاسلام، فان كان في دار الحرب لا يجب الحد؛ لأن المتولي لاقامة الحد هو الامام وليس له ولاية في دار الحرب فلا يقدر على الاقامة فالسبب حين وجوده لم ينعقد سببا للوجوب؛ لعدم الولاية فلا يستوفيه في دار الاسلام؛ ولهذا لا يستوفي سائر الحدود في دار الاسلام اذا وجد أسبابها في دار الحرب كذاهذا"(۸۷)

''اگر ''حرابہ'' والا جرم دارالحرب میں پایا جائے تو مجرم پر حد جاری نہ ہوگی۔ اس لئے کہ حد قائم کرنے کی ولایت و اختیار امام کے پاس ہے اور دارالحرب میں امام کی ولایت نہیں تو وہ حد جاری کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس لئے عدم ولایت کی وجہ سے جب حد واجب ہونے کا سبب نہیں پایا گیا تو دارالاسلام میں بھی اس پر حد نہیں جاری کی

جائے گی اور یہی حکم ہے تمام حدود کا دارالاسلام میں جب کہ ان کے اسباب دارالحرب میں پائے جاتے ہوں۔''

لیکن اگر کسی مسلمان نے دوران سفر یا جنگ میں موجب حد جرم کرلیا تو اس پر بھی فی الحال حد جاری نہ ہوگی۔ سنن ابی داؤد میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِي فِي السَّفَرِ''(۸۸)

''دوران سفر ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔''

جب کہ سنن ترمذی کی روایت میں ہے:

''لَا تُقْطَعُ الْأَيْدِي فِي الغَزوِ''(۸۹)

''دوران جنگ ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔''

اس کی وجہ کو بیان کرتے ہوئے امام ترمذی (م۔۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:

''والعمل على هذا عند بعض أهل العلم منهم الأوزاعي لا يرون أن يقام الحد في الغزو بحضرة العدو مخافة أن يلحق من يقام عليه الحد بالعدو فاذا خرج الامام من أرض الحرب ورجع الى دار الاسلام أقام الحد على من أصابه كذلك قال الأوزاعي''(۹۰)

''اور بعض علماء اور امام اوزاعی اسی پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت حدود نہ قائم کی جائیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ جس پر حد جاری کی جائے وہ دشمن سے جاملے۔ لیکن جب امام دارالحرب سے دارالاسلام لوٹ آئے تو جس پر حد جاری کرنی ہو جاری کرے۔ اسی طرح امام اوزاعی نے کہا ہے۔''

حدود کا حکم:

قاضی کے پاس جانے کے بعد اس میں کسی شخص کو سفارش یا معافی دلانے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

''فلا تجوز الشفاعة فيه بعد الوصول للحاكم .....وأجمعوا أنها لا تسقط الحد في الدنيا''(۹۱)

''حاکم کے پاس پہنچنے کے بعد ان میں سفارش کی گنجائش نہیں، اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ دنیا میں ساقط نہیں ہوسکتی۔''

جیسا کہ حدیث میں ہے:

''حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ (امرائے) قریش ایک مخزومی عورت کے معاملہ میں بہت ہی فکرمند تھے۔ جس نے

چوری کی تھی وہ لوگ کہنے لگے کہ اس سارقہ کے واقعہ کے متعلق کون شخص رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرے بعض لوگوں نے کہا اسامہ بن زیدؓ جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔ چنانچہ اسامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی جس پر آپ ﷺ نے اسامہؓ سے کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے معاف کرنے کے بارے میں سفارش کرتے ہو یہ کہہ کر آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ ان میں جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور سزا نہ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے قسم ہے خدا کی! اگر فاطمہؓ محمد ﷺ کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں۔'' (۹۲)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

''حضرت صفوان بن امیہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ان کی چادر چوری کی وہ چور کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کا جرم معاف کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو وہب! ہمارے پاس آنے سے قبل تو نے اس کو کیوں نہ معاف کر دیا؟ پھر آپ ﷺ نے اس چور کا ہاتھ کٹوایا۔'' (۹۳)

نسائی شریف کی دوسری روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ چادر تیس درہم مالیت کی تھی۔ (۹۴) مذکورہ بالا دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ حدود اللہ میں نہ کسی کی سفارش قابل قبول ہے اور نہ ہی اس کو حاکم کے پاس آنے کے بعد معاف کیا جا سکتا ہے۔

جن جرائم پر حدود جاری نہیں ہوتیں ان کا حکم:

بہت سارے جرائم ایسے ہیں کہ جن پر حدود لاگو نہیں ہوتیں یا ان پر حدود جاری ہو سکتی ہیں۔ مگر ثبوت ناکافی ہیں یا ضابطہ کے مطابق شہادت موجود نہیں ہے یا شبہات کی وجہ سے حد ساقط ہو رہی ہے تو ان مجرموں پر حدود قائم نہیں ہوں گی۔ مگر تعزیراً حاکم وقت ان کو سزا دے سکتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م۔۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

''الشبهة تسقط الحد'' (۹۵) ''شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔''

اور آگے لکھتے ہیں:

''الشبهة لا تسقط التعزيز'' (۹۶) ''شبہ سے تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔''

لہٰذا ایسے مجرم جن کے جرائم حدود کی گرفت میں نہیں آتے ان کی حوصلہ شکنی کے لئے حکومت وقت ان کو سزا دے سکتی ہے اور اس قسم کے جرائم کی روک تھام کے لئے قانون بنانے کی بھی مجاز ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسے لوگوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی تو وہ بدامنی اور انارکی پھیل گی جس پر قابو پانا بہت دشوار ہو جائے گا۔

مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

"والاصل ان من الجنايات العظيمة ما يتعين عقوبة او يتعين ولكن سقطت بشبهة وفي هذا فساد ظاهر فامر الامام بالتردي فيه للعمل برايه على ان مايكون من الحوادث لا تعد ولا تحصى فلا مر فيه بالراى اولى "(۹۷)

''بڑی جنایتوں میں جن میں سزا متعین نہ ہو یا متعین ہو لیکن شبہ کی وجہ سے ساقط ہوگئی ہو اور سزا نہ دینے میں فساد ظاہر ہوتا ہو تو امام کو غور وفکر کے ساتھ اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس قسم کے حوادث بے شمار ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر رائے پر عمل کرنا اولی ہے۔''

چنانچہ جن جرائم پر حد نہ جاری ہو سکے وہاں امام اپنی صواب دید پر سزا دے سکتا ہے۔ اس قسم کی سزا جو امام کی صواب دید پر ہو تعزیر کہلاتی ہے۔(۹۸)

ڈاکٹر وھبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

"وهي العقوبات غير المقدرة شرعاً، وانما فوض الشرع النظر في نوعها ومقدارها الى ولي الأمر."(۹۹)

''تعزیرات وہ سزائیں کہلاتی ہیں جو شریعت میں مقرر نہیں کیں اور ان کی نوعیت اور مقدار کو حاکم وقت کے سپرد کیا گیا ہے۔''

تعزیر کے واجب ہونے کے لئے صرف عقل شرط ہے۔ ہر ایسے عاقل کو تعزیراً سزا دی جاسکتی ہے جس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس میں شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مسلم ہو یا کافر، بالغ ہو یا سمجھدار بچہ اور بچے کو جو تعزیر کی جائے گی وہ تادیب کے لئے ہوگی سزا کے طور پر نہیں ہوگی۔(۱۰۰) شریعت اسلامیہ میں تعزیر کا باب بہت وسیع ہے۔ اس میں امام کو بہت وسیع اختیار دیے گئے ہیں تعزیری سزاؤں میں حاکم وقت مجرموں کے مراتب اور نفسیات کے پیش نظر سزا میں کمی وزیادتی کر سکتا ہے۔ کیونکہ تعزیر کا مقصد ہی تادیبی کاروائی اور اصلاح ہے۔ اس لئے امام حالات کے پیش نظر سزا دے سکتا ہے اور شریعت میں اس کو صرف مار پیٹ تک محدود نہیں رکھا بلکہ تعزیر کی نوعیت میں وسعت رکھی ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ (م۔۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:

"فانه شرعالا يختص بالضرب بل قد يكون به وقد يكون بالصفع وبفرك الأذن وقد يكون بالكلام العنيف وقد يكون بنظر القاضي اليه بوجه عبوس."(۱۰۱)

''پس بے شک شریعت میں تعزیر مار پیٹ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کبھی یہ پٹائی کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی نظر

انداز کر کے، کبھی کان کھینچ کے، کبھی سخت لہجے میں گفتگو کر کے اور کبھی قاضی کا چہرے کے تیور بدل کر اس کی طرف نظر کرنے سے ہوتی ہے۔''

لہٰذا معلوم ہوا تعزیراً اس کو صرف ترش روی سے دیکھ لیا تو یہ سزا بھی کافی ہے اور انتہائی سزا یہ ہے کہ تعزیراً قتل کر دیا جائے۔ جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی ایسا جرم ہے جس سے معاشرہ میں فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور عدالت سمجھتی ہے کہ اگر اس جرم کو سختی سے منع نہ کیا گیا تو اس کے بھیانک نقصانات ہو سکتے ہیں اور مجرم بار بار اسی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ مثلاً شراب نوشی سے باز نہیں آ رہا یا مجرم کوئی سنگین جرم کر رہا ہے تو اس کو سیاستاً قتل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً وہ غیر فطری عمل (Homo Sexuality) میں مبتلا ہو جائے تو اس پر حد جاری نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ لواطت پر حد جاری نہیں ہوتی مگر تعزیری سزا کے طور پر اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ (۱۰۲)

حدود کے مقاصد:

زمین پر پھیلنے والے فساد کا خاتمہ، مظلوموں کی مدد اور امن و امان کے قیام کے ساتھ جرائم کی روک تھام ہے۔ جن جرائم پر شرعی حدود نافذ ہوتی ہیں ان کے حوالہ سے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"فمثل هذه المعاصي لا يكفي فيها الترهيب بعذاب الآخرة بل لا بد من اقامة ملامة شديدة عليها ليكون بين أعينهم ذلك فيردعهم عما يريدونه."(۱۰۳)

''پس اس قسم کے گناہوں میں عذاب آخرت سے ڈرانا کافی نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ ان پر سخت ملامت کی جائے اور تکلیف دی جائے۔ تاکہ جرائم کی سزا ان کی آنکھوں کے سامنے رہے اور وہ سزائیں ان کو اس چیز کے ارتکاب سے روکیں جس کا وہ ارادہ کریں۔''

چونکہ ان جرائم کے ارتکاب کرنے سے بہت سارے مفاسد پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان کی کڑی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ چنانچہ چند نقصانات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

زنا:

امام فخر الدین رازیؒ نے زنا کے مفاسد کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''الزنا اشتمل على أنواع من المفاسد.''(۱۰۴)

''زنا کئی قسم کے مفاسد پر مشتمل ہے۔''

اور آگے انہوں نے اس کے چھ نقصانات کو بیان کیا جن کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کوئی اس بچہ کی پرورش کا ذمہ دار نہیں بنتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ

ضائع ہو جاتا ہے (یا تو ماں ہی اسے خود مار دیتی ہے یا مرنے کے لئے چھوڑ دیتی ہے) یا اس بچے کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا جس سے وہ غلط سوسائٹی کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ جس سے نسل انسانی منقطع ہوتی ہے جو کہ دنیا کی خرابی اور ویرانی کا سبب بنتا ہے۔

۲۔ بدکارہ عورت کے ساتھ چونکہ کسی نے باقاعدہ نکاح نہیں کیا ہوتا اس لئے ہر بدکار کی کوشش ہوگی کہ وہ اس سے مراسم قائم رکھے۔ بسا اوقات نوبت دنگا فساد اور قتل و غارت تک جا پہنچتی ہے اور اس سلسلے میں بے شمار ایسے واقعات مل جائیں گے کہ بے راہ روی کا شکار ہونے والوں نے محض ایک عورت کے لئے قتل و غارت کی۔

۳۔ جب بدکارہ عورت فعل بد کی عادی ہوتی ہے تو سلیم الطبع انسان ایسی عورت سے گھن محسوس کرتے ہیں۔ ایسی عورت سے شریف النفس انسان کا شادی کرنا دور کی بات، وہ اس کے لئے محبت والفت کے جذبات بھی نہیں پیدا کر سکتا۔ چنانچہ جو عورتیں فعل بد میں مشہور ہو جاتی ہیں لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں۔

۴۔ اگر بے راہ روی عام ہو جائے تو پھر کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ نکاح کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ جس کو جہاں موقع مل گیا بے حیائی کو جامہ پہنایا جائے گا اور ایسی صورت حال میں انسانوں اور جانوروں کے درمیان فرق نہ رہے گا۔

۵۔ عورت سے صرف محض یہ مقصود و مطلوب نہیں کہ اس کے ساتھ جنسی تقاضے پورے کیے جائیں، بلکہ مرد و عورت کے ملاپ سے مقصود ایک دوسرے کے ساتھ گھریلو امور میں، کھانے و پینے اور تربیت اولاد کے ساتھ دیگر زندگی کے اہم پہلوؤں میں شراکت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے غم گسار اور دکھ و تکلیف کے ساتھی بنیں اور ان مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ عورت کسی ایک مرد کے ساتھ نکاح کر کے زندگی گزارے، اور دوسری طرف زنا کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا جائے۔

۶۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات کو اشارتاً اور کنایتاً بیان کیا جاتا ہے اور وظیفہ زوجیت ہمیشہ پردہ کی اوٹ میں ہوتا ہے۔ کہ کوئی دیکھ نہ پائے، چنانچہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک عورت ایک مرد کی ہو کر رہے تاکہ بے حیائی کا دروازہ نہ کھلے۔ (۱۰۵)

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ زنا کے مفاسد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زنا اور بدکاری غیر محرم اور اجنبیات عورتوں کی طرف رغبت اور دلچسپی سے واقع ہوتا ہے اور اس فعل قبیح میں عورت کے خاندان کے لئے بہت بڑی عار اور سخت رسوائی ہے۔ اگر بات لوگوں تک پھیل جائے تو پھر غیرت و جوش میں قتل وقتال اور لڑائی جھگڑے تک نوبت جا پہنچتی ہے جس سے زمین میں فساد بڑھتا ہے اور عام طور پر زنا، زانی، اور زانیہ کی رضامندی سے تنہائیوں میں ہوتا ہے۔ جہاں ان کے اس فعل بد پر کوئی مطلع نہیں ہوتا ماسوائے چند لوگوں کے،

لہٰذا اگر ان کے لئے دردناک سزا مقرر نہ کی گئی تو وہ باز نہ آئیں گے۔(۱۰۶)

چوری:

انسان چوری کی طرف اس وقت متوجہ ہوتا ہے جب وہ معاشی طور پر کمزور ہوتا ہے اور اس وقت وہ دوسروں کے مال کو چرانے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ یہ کام خفیہ طور پر ہوتا ہے اس لئے اکثر اوقات لوگوں کو علم نہیں ہوتا۔ اس سے بھی امن و امان متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے لوگوں کے مال محفوظ کرنے کے لئے ''قطع ید'' کی سزا مقرر کی گئی۔(۱۰۷)

راہ زنی:

راہ زنی میں ظلم کی انتہاء ہوتی ہے کہ مظلوم کی جان و مال دونوں داؤ پر لگے ہوتے ہیں اور راہ زن ان مقامات پر گھات نہیں لگاتا جہاں پر پولیس یا لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت ہو کہ وہ بوقت ضرورت مدد کر سکیں۔ اس لئے راہ زنی کی سزا، چوری سے بھی زیادہ سخت ہے۔(۱۰۸)

شراب:

اسلام نے انسان کی پاکیزہ زندگی کو جو نقشہ پیش کیا ہے اس میں شراب اخلاقی و نفسیاتی اثرات کے لحاظ سے ''ام الخبائث'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ شراب پینے سے انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے اور اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں جو شرعاً اور قانوناً قابل گرفت ہوتی ہیں۔ چونکہ دنیا و آخرت کے امور کا تعلق عقل سے ہے اور شراب نوشی سے سوچنے و سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اس لئے دوسرے لوگوں کو شرابی کی شنیع حرکات سے بچانے کے لئے سزا مقرر کی گئی ہے۔(۱۰۹)

تہمت

جس شخص پر بدکاری کی تہمت لگا دی جائے وہ معاشرہ میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا، اس کو سخت قسم کی عار دوسروں سے محسوس ہوتی ہے۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"القذف بالزنا لأنه نسبه الى الزنا وفيها الحاق العار بالمقذوف فيجب الحد دفعا للعار عنه"(۱۱۰)

''زنا کی تہمت لگانے میں دوسرے کی نسبت زنا کی طرف کرنا ہے اور اس میں اسے عار لاحق ہوتی ہے۔ پس اس سے عار کو دور کرنے کے لئے حد کو لازم کیا گیا ہے۔''

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"فان المقذوف يتأذى أذى شديدا، ولا يقدر على دفعه بالقتل ونحوه لأنه ان قتل قتل به، وان

ضرب ضرب به، فوجب في مثله زاجر عظيم."(۱۱۱)

''وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ سخت تکلیف اٹھاتا ہے اور وہ قتل وغیرہ کے ذریعے قاتل کو ہٹانے پر قدرت نہیں رکھتا اس کہ اگر وہ اسے قتل کرے گا تو بدلے میں خود قتل کیا جائے گا اور اگر اس کو مارے گا (پٹائی وغیرہ) تو خود اسے مارا جائے گا۔ پس اس جرم میں بڑی سزا ضروری ہے۔''

بہر کیف یہ ایک حقیقت ہے کہ جس شخص پر تہمت لگا دی جائے اس کے لئے بہت بڑی رسوائی کی بات ہوتی ہے۔ لوگ اکثر سنی سنائی کو سچ مان لیتے ہیں اور وہ کس کس کو جا کر صفائی دے گا اور اگر وہ تہمت لگانے والے کو غصہ میں آ کر قتل کر دے تو پھر قصاصا اسے قتل کیا جائے گا اور اگر وہ اس کی پٹائی وغیرہ کرے اور نوبت ہاتھا پائی تک جا پہنچے تو پھر جوابی کاروائی کا اسے بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ دونوں صورتوں میں امن وامان کا خاتمہ اور فساد ہی بڑھے گا۔ اس لئے دوسروں کو اذیت سے بچانے اور ان کی عزت کی حفاظت کے لئے سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ تا کہ دوسرے لوگ بھی عبرت حاصل کریں اور کسی پاک دامن کی عزت کو خاک میں ملانے کی جرات نہ کریں۔

حدود پر شبہات:

اسلامی حدود پر بے شمار اعتراضات وشبہات کیے جا رہے ہیں۔ ان میں سے چند شبہات کے جوابات درج ذیل ہیں۔

پہلا شبہ: اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اس میں دوسروں کو اذیت دینا ہے؟ جیسا کہ آج اہل مغرب کی طرف سے کہا جا رہا ہے.

جواب: اسلامی سزاؤں کو سخت یا وحشیانہ قرار دینا دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے۔ وہ مغالطہ یہ ہے کہ جن حضرات نے یہ اعتراض اٹھایا وہ جرائم پیشہ لوگوں پر تو ترس کھاتے ہیں کہ اسلامی حدود کے نفاذ میں ان کو تکلیف پہنچانا ہے۔ مگر معاشرہ میں رہنے والے دوسرے انسانوں پر نہ وہ ترس کھاتے ہیں اور نہ ان کی طرف توجہ کرتے ہیں جن کی زندگیوں کو ان جرائم پیشہ لوگوں نے اجیرن بنا دیا ہے۔ کسی مجرم پر ترس کھانا بے انصافی اور سراسر عقل کے منافی ہے۔ اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے جب زنا کی سزا کو بیان کیا تو ساتھ ہی فرما دیا:

﴿وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾(۱۱۲)

''اور تمہیں اللہ کے معاملہ میں ان پر ذرا رحم نہ آنا چاہیے۔''

اسی طرح قتل ناحق کرنے والے کو ''قصاص'' میں قتل کرنا دراصل دوسرے لوگوں کی زندگیوں کا تحفظ ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ﴾(۱۱۳)

''اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔''

معلوم ہوا حدود کا اجراء جرائم کے قلع قمع کے لئے ہے نہ کہ کسی کو دکھ اور تکلیف دینا مطلوب ومقصود ہے۔ جہاں تک بات ہے سکھ چین اور نرمی وشفقت کی تو اس کا کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ زمانہ جاہلیت میں جنگوں کا تصور ہی لرزا دینے والا ہے۔ مگر اسلام نے جو جنگی اصلاحات کیں، عہد شکنی نہیں کرنی، مثلہ نہیں کرنا، عورتوں اور بچوں کا قتل نہیں کرنا۔ (۱۱۴) وغیرہ ان کی مثال پیش کرنے سے دوسرے مذاہب عاجز ہیں اور عصرِ حاضر کی جنگوں میں تو بچے، بوڑھے، عورتیں مارے جاتے ہیں اور بم دھماکہ میں تو لوگوں کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں جو کہ مثلہ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ معاشرتی جرائم کی یہ سزائیں تو سابقہ مذاہب میں بھی تھیں اور کتاب مقدس میں شامل ''توراۃ'' کی کتاب ''استثناء'' میں واضح لکھا ہے کہ ''اگر کوئی مرد کسی شادی شدہ عورت کے ساتھ بدکاری کرتا ہوا پایا جائے، یا کسی کنواری لڑکی سے کوئی بدکاری کرے تو دونوں کو سنگسار کر دینا۔'' (۱۱۵) ''مسند احمد'' میں ہے یہودیوں کے ایک مرد وعورت نے زنا کرلیا تو یہودی فیصلہ کے لئے اُن کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ''تورات'' کے مطابق ''رجم'' کا فیصلہ کیا تھا۔ (۱۱۶) اگر اسلامی سزاؤں پر وحشیانہ ہونے کا اعتراض ہے تو پھر اقوام سابقہ اور ملل قدیمہ کے مقدس لٹریچر پر بھی فرق آئے گا۔

دوسرا شبہ: اگر کسی شخص نے ناحق دوسرے کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس کی دیت پانچ سو دینار سے ادا کی جائے گی۔ جب کہ کل دیت ایک ہزار دینار ہوتی ہے تو پھر دس درہم یا ربع دینار چوری پر چور کے ہاتھ کو کیوں کاٹا جاتا ہے؟

جواب: یہ بھی ایک مغالطہ ہے کہ جس میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا چوری کی سزا میں ''قطع ید'' کا حکم دینا زیادتی ہے۔ اس لئے کہ ایک طرف شریعت اسلامیہ ''ربع دینار'' کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دے رہی ہے۔ گویا ایک ہاتھ کی قیمت ''ربع دینار'' ہے اور دوسری طرف کسی انسان کا ہاتھ ناحق کاٹا گیا ہو تو مجرم سے ''پانچ سو دینار'' دیت وصول کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار ہے جب ہاتھ دونوں صورتوں میں کاٹا گیا تو پھر ہاتھ کی قیمتوں میں تفاوت کیوں۔؟

واضح رہے کہ یہاں پر اگرچہ ہاتھ دونوں صورتوں میں کاٹا جارہا ہے مگر ان میں ایک بہت بڑا فرق، عظیم مصلحت اور اعلیٰ حکمت ہے جس کو نظر انداز کیا جارہا ہے وہ فرق یہ ہے کہ جہاں کسی انسان کا ناحق ہاتھ کاٹا تو اس کے ساتھ یہ بہت بڑا ظلم ہوا۔ اس کی مظلومیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت نے اس کی ''دیت'' میں پانچ سو دینار مقرر کیے۔ تاکہ آئندہ کسی شخص کو دوسرے پر اس نوعیت کا ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو اور معاشرے میں رہنے والے دوسرے لوگوں کی حفاظت ہو۔ اور جہاں پر ''ربع دینار'' کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے وہاں دوسروں کے مالوں کو محفوظ بنانا ہے کہ لوگوں کی خون پسینہ سے کمائی ہوئی دولت کو چرانا اُن کے ساتھ ظلم ہے۔ چنانچہ قوت بازو سے رزق حلال کمانے کی بجائے دوسروں کے مالوں کو چرانے والے جرم نے ہاتھ کو حقیر اور کم تر کردیا جس کی وجہ سے شریعت نے ''قطع ید'' کا حکم دے دیا۔ ابوالعلی المعری ایک ملحد قسم کا شاعر گزرا

ہے اس نے قطع ید کی اس سزا پر یہی اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا:

يد بخمس مئين عسجد وديت

ما بالها قطعت في ربع دينار (۱۱۷)

پانچ سو سونے کے دینار سے ایک ہاتھ کی دیت ادا کی جاتی ہے۔

پھر کیا وجہ کہ اس ہاتھ کو ربع دینار کے عوض کاٹ دیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ (م۔۲۰۴ھ) نے اس کا جواب دیا:

هناك مظلومة غالت بقيمتها

وهنا ظلمت هانت على الباري (۱۱۸)

وہاں مظلوم کا ہاتھ تھا اس لئے گراں ہوگئی اس کی قیمت۔

اور یہاں اس نے ظلم کیا تو خدا کے ہاں کم قیمت ہوگیا۔

یعنی جہاں ہاتھ کی قیمت پانچ سو دینار مقرر کی گئی وہ مظلوم کا ہاتھ ہے اور جس ہاتھ نے چوری کر کے ظلم کیا اس ظلم نے اس ہاتھ کو حقیر کر دیا۔

تیسرا شبہ: قرآن خود کہتا ہے: ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ '' (البقرہ:۲۵۶) ''دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے''؟ نیز آزادی رائے اور اظہار فکر کا تو ہر شخص کو حق حاصل ہے تو پھر اسلام میں مرتد کی سزا قتل کیوں ہے۔؟

جواب: اس آیت کا مفہوم سمجھنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے شانِ نزول کو مدِ نظر رکھا جائے۔

امام ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں:

''یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، مدینہ منورہ میں اسلام سے قبل بسا اوقات بچوں کو یہودی اور نصرانی بننے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ لیکن جب اسلام آیا تو انصار نے ارادہ کیا کہ ہم اپنے بچوں کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کریں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر سختی کرنے سے منع کیا کہ تم ان کو مجبور نہ کرو۔ وہ خود اپنے اختیار سے اسلام میں داخل ہوں۔'' (۱۱۹)

اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ کسی شخص کو اولاً اور ابتداءً زبردستی اسلام میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ ہر شخص خود مختار ہے وہ اپنی عقل سلیم کو بروئے کار لاتے ہوئے فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس کے لئے کیا بہتر ہے؟ مگر جب کوئی شخص اپنی تسلی و تشفی کے بعد اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ اسلام کی تمام کی خوبیوں سے واقف ہوگیا ہے۔ اب اگر وہ اسلام کو چھوڑ کر دارالاسلام میں رہتے ہوئے کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرنا چاہتا ہے تو اس کا یہ عمل فتنہ و فساد کا باعث ہے یا وہ دارالحرب چلا جائے اور جو چاہے مرضی کرے۔ اس لئے کہ دارالحرب میں تو مسلمانوں کی ولایت ہی نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ارتداد کے ساتھ دارالاسلام میں ہی رہتا ہے تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوں گی۔ سوالات اٹھیں گے کہ اس نے اسلام کو کیوں چھوڑا؟ ظاہر ہے وہ اپنی غلطی اور کوتاہ نظری کو تسلیم کرنے کی بجائے اسلام کے نقائص بیان کرے گا جو کہ دوسرے مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسے ہے جیسے جسم کا کوئی عضو کسی مضر بیماری کی وجہ سے متاثر ہو جائے تو خطرہ ہے اس عضو سے بیماری دوسرے اعضاء کی طرف سرایت نہ کر جائے۔ اس لئے دوسرے صحیح اور سالم اعضاء کو بچانے کے لئے اس متاثرہ عضو کو ان سے جدا کرنا ضروری ہوگا۔ اسی طرح معاشرہ میں فتنہ وفساد کو روکنے لئے مرتد کا قتل واجب ہو جاتا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ آزادی رائے اور اظہار فکر کا ہر کسی کو حق حاصل ہے تو یہ بات بالکل درست اور منصفانہ ہے کہ ہر شخص کو جب اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور سے نوازا ہے تو اسے حق ہے کہ وہ اپنی آراء اور خیالات کا دوسروں سے تبادلہ کرے۔ مگر آزادی فکر اور اظہار مافی الضمیر کے لئے کوئی قاعدہ، قانون اور اصول وضابطہ ہونا ضروری ہے۔ جس کی روشنی میں یہ طے کیا جائے کہ کس قسم کی گفتگو اور خیالات وافکار کو موضوع سخن بنایا جاسکتا ہے۔ اگر آزادی رائے کا مطلب یہ ہو کہ جس کے دل میں جو آئے وہ کہے اور اس پر عمل کر گزرے تو اس کے نتائج بڑے سنگین ہو سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک آدمی جو فقر وفاقہ اور پریشانیوں سے دوچار ہے وہ کہے کہ آج کے اس بے روزگاری کے دور میں دو وقت کی روٹی کا حصول نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ لہٰذا جتنے بھی بیروزگار افراد ہیں وہ میری اس رائے سے اتفاق کر کے میرا ساتھ دیں کہ ہم امراء اور دولت مند طبقے کو لوٹ کر حاصل شدہ دولت اپنی اور دوسرے غریبوں کی ضروریات پر خرچ کریں گے تو ظاہر ہے اس قسم کی آزادی رائے کو کوئی بھی پسند نہیں کرے گا یا کوئی صاحب اپنی گاڑی کو سڑک کے بیچ میں کھڑی کر کے یہ کہیں کہ ہر شخص کو آزادی ہے وہ جو چاہے کرے تو یہ بات قابل التفات نہ ہوگی وغیرہ اور بھی بے شمار مثالیں اس قسم کی دی جاسکتی ہیں۔

چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ آزادی رائے کے لئے چند شرائط ہونی چاہییں۔ تو ضروری ہوا کہ اظہار رائے کے لئے کوئی معیار قائم کیا جائے جس سے سبھی کو فائدہ ہو۔ اس میں جو بھی قیود وشرائط ہوں بہرکیف اس بات کو بھی مدِ نظر رکھنا پڑے گا کہ قول وفعل کے لحاظ سے ہر شخص کو اس قسم کی آزادی ہے جو کسی دوسرے کی آزادی کو متاثر نہ کرے۔ وہ کام اپنی مرضی سے کیا جاسکتا ہے جس سے کسی دوسرے کے حقوق متاثر نہ ہوں۔ اگر اس کام سے کسی شخص کی آزادی یا حق متاثر ہو تو اس کام سے فوری روک دیا جائے گا کہ آپ کو حق نہیں کہ آپ دوسروں کے حقوق متاثر کریں اسلام بھی یہی کہتا ہے۔

''لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ.'' (۱۲۰) ''نہ نقصان اٹھانا ہے اور نہ نقصان پہنچانا ہے۔''

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ اظہار فکر اور آزادی رائے مطلقاً کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اسلام بھی آزادی

رائے کو اہمیت دیتا ہے مگر اس کے غلط استعمال کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن مجید میں واضح موجود ہے کہ معبودان باطلہ کی مذمت نہیں کرنی۔ (۱۲۱) اس کی وجہ یہی ہے کہ اُن کے نام لیواؤں کو تکلیف ہوگی تو پھر وہ تمہارے معبود برحق کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں گے۔ اسی طرح جو شخص اسلام قبول نہیں کرنا چاہتا اُس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مگر جو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر وہ اسلام کو چھوڑ نہیں سکتا اگر چھوڑے گا تو اس کی سزا قتل ہے۔ جب کسی مملکت یا سلطنت میں عام دنیاوی قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر حکومت وقت اور انتظامی ادارے حرکت میں آجاتے ہیں تو اسلام کے احکامات اور قوانین بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کے بنائے ہوئے قانون کی جو بھی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی سزا بھی اس نے مقرر کی ہے۔ اس کو اظہار فکر یا آزادی رائے کے منافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

چوتھا شبہ: اسلام کی بیان کردہ ''حدود'' اس دور کے قبائلی معاشرہ کی ضرورت تھی۔ عصر حاضر میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب: اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے جو کامل و مکمل دنیا کے سامنے آچکا ہے اور جس کا تعلق کسی محدود زمانہ اور مخصوص علاقہ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے نبی ہیں۔

جیسا کہ درج ذیل آیات سے واضح ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ (۱۲۲)

''فرما دیجئے اے لوگوں میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

﴿تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (۱۲۳)

''بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فیصلہ کی کتاب اُتاری تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔''

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۱۲۴)

''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا خوشخبری سُنانے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔''

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ تمام انسانوں اور علاقوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ تو آپ ﷺ لایا ہوا دین بھی تمام معاشروں اور علاقوں کے لئے ہوگا۔ انسانوں کی فلاح و بہبود اور امن و امان کے حوالہ سے جو اقدامات آپ ﷺ نے کیے ہیں وہ تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ خواہ ان کا تعلق اخلاقی نظام سے ہو یا معاشی نظام سے، عدلی نظام سے ہو یا عائلی نظام سے، نظام عفت و عصمت سے ہو یا معاشرتی نظام کو جرائم سے پاک کرنے والی ''حدود'' سے ہو۔ لہٰذا درپیش مسئلہ میں آپ ﷺ کی سیرت کبریٰ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ علی ہذا القیاس ''حدود'' کا نفاذ بھی ایسا

ہی ہوگا جہاں پر سنگین جرائم ہوں گے وہاں اُن کے انسداد کے لئے شریعت اسلامیہ کے پیش کردہ لائحہ عمل سے رہنمائی لی جائے گی۔لیکن اگر کوئی خطہ ایسا ہے جہاں پر جرائم کی شرح بالکل نہ ہونے کے برابر ہے تو ظاہر ہے وہاں پر اُن ''حدود'' کا نفاذ نہیں ہوگا۔اس لئے کہ ''حدود'' کا تعلق صرف قبائلی معاشرہ کی ضرورت کو پورا کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد معاشرہ میں رہنے والے لوگوں کا تحفظ اور جرائم کا صفایا ہے تو جہاں ضرورت ہوگی وہ ان کا نفاذ ہوگا۔

خلاصہ بحث:

''حدود اللہ'' کے الفاظ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کے لئے استعمال ہوئے ہیں لیکن شریعت اسلامیہ میں لفظ ''حدود'' ان سزاؤں کے ساتھ خاص ہوگیا ہے جو سنگین جرائم کی روک تھام کے لئے حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں اور وہ چند جرائم ہیں جن کی سزاؤں کو خصوصی طور پر قرآن وسنت میں بیان کر کے متعین کر دیا گیا ہے۔جن میں کمی و بیشی یا تغییر کا کسی کو حق نہیں ہے اور نہ ہی ان کی نوعیت اور مقدار میں کوئی تبدیلی واقع کی جاسکتی ہے۔باقی تمام جرائم کی سزاؤں کا تعین اسلامی حکومت اور اس کے مجاز اداروں کی صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ حالات کے مطابق ان جرائم کی سزاؤں کی مقدار اور نوعیت خود طے کرلیں۔یہ سزائیں معاشرے کو سنگین جرائم سے پاک کرنے کے لئے ہیں۔اگر غیر جانبداری سے اسلام کے نظام حدود کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ دنیا میں امن وامان کے قیام اور سکھ چین کی فضاء قائم کرنے کے لئے ان ''حدود'' کا عملی نفاذ ضروری ہے۔چنانچہ ان حدود کے قیام کا مقصد معاشرہ میں امن و سکون اور لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔

حواشی حوالہ جات

۱۔ الرازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، بیروت، مکتبہ، لبنان ناشرون، ۱۴۱۵ھ، ج ۱، ص ۱۶۷

۲۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، افریقی المصری، لسان العرب، بیروت، دار صادر، س ن، ج ۳، ص ۱۴۰

۳۔ الرازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، ج ۱، ص ۱۶۷

۴۔ الزحیلی، وھبہ، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دمشق، دار الفکر، س ن، ج ۷، ص ۲۵۷

۵۔ الحصکفی، علاء الدین، درمختار، بیروت، دار الفکر، طبع ۱۳۸۶ھ، ج ۴، ص ۳

۶۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دمشق، دار الفکر، ج ۷، ص ۲۱۷

۷۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ الجامع الصحیح، بیروت، دار ابن کثیر الیمامہ ۱۹۸۷ء، ج ۳، ص ۱۲۸۲ ۸۔ النساء: ۱۴

۹۔ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان، فی تاویل القرآن، بیروت، موسسۃ الرسالہ، س ن، ج ۸، ص ۷۱

۱۰۔ الرازی، ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، الحافظ، تفسیر القرآن العظیم، مکۃ المکرمہ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، طبع ۱۹۹۸ء، ج ۳، ص ۸۹۲

۱۱۔ القرآن، التوبہ: ۹۷ ۱۲۔ الطبری، جامع البیان، ج ۱۴، ص ۴۲۹

۱۳۔ ایضاً، ج ۱۴، ص ۴۲۹ ۱۴۔ الطبری، جامع البیان، ج ۸، ص ۶۹ ۱۵۔ ایضاً، ج ۸، ص ۷۱

۱۶۔ ابن ابی زمنین، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، تفسیر القرآن العزیز، الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر ۱۴۲۳ھ، ج ۱، ص ۲۳۲

۱۷۔ الرازی، محمد بن الحسین، المعروف فخر الدین، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، بیروت، دار احیاء التراث، ج ۱، ص ۸۹

۱۸۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبہ للنشر والتوزیع طبع ۱۹۹۹ء، ج ۱، ص ۵۲۰

۱۹۔ بیضاوی، ناصر الدین، قاضی، تفسیر بیضاوی، بیروت، دار الفکر، ج ۱، ص ۴۷۳

۲۰۔ مسلم، بن حجاج، الامام، الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، س ن، ج ۳، ص ۱۳۱۹

۲۱۔ الدہلوی، شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، کراچی، نور محمد کتب خانہ، ج ۲، ص ۱۵۸

۲۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۵۸ ۲۳۔ المائدہ: ۳۸

۲۴۔ الکاسانی، علاؤ الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء، ج ۷، ص ۶۶، ۶۷، ۹۲

۲۵۔ الشافعی، محمد بن ادریس، ابوعبداللہ، کتاب الام، بیروت، دار المعرفت، ۱۳۹۳ھ، ج ۶، ص ۱۳۰؛ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دمشق، دار الفکر، ج ۷، ص ۳۷۰

۲۶۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۳۶۶ ۲۷۔ البقرۃ: ۱۷۸

۲۸۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۶، ص ۲۵۲۳ ۲۹۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۲۱۸

۳۰۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۳۳ ۳۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۵، ص ۲۰۲۰

۳۲۔ النور: ۲ ۳۳۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۳۷

۳۴۔ ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، مصر، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، ۱۳۹۵ھ، ج ۲، ص ۴۳۸

۳۵۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۳۱۴ ۳۶۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۴۳۸

الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۳۱۴، ۳۱۵ ۳۷۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۴۴۰

۳۸۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۶، ص ۲۴۸۸ ۳۹۔ ایضاً، ج ۶، ص ۲۴۸۸

۴۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، بیروت، دار الکتاب العربی، س ن، ج ۴، ص ۲۷۹

۴۱۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ابوعیسیٰ، السنن، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ج ۴، ص ۴۸

۴۲۔ الترمذی، السنن، ج ۴، ص ۴۸

۴۳۔ الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد، الحاوی فی فقہ الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۴ھ، ج ۱۳، ص ۴۱۲

۴۴۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۴۴۴

۴۵۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، س ن، ج ۷، ص ۱۸۷

۴۶۔ ابن تیمیہ، احمد بن علی، الحرانی، السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، بیروت، دار المعرفت، س ن، ج ۱، ص ۱۳۷

۴۷۔ الزرقانی، محمد بن عبدالباقی، شرح الزرقانی علی موطا امام مالک، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ، ج ۴، ص ۲۰۵

۴۸۔ الماوردی، الحاوی، فی فقہ الشافعی، ج ۱۳، ص ۴۱۲

۴۹۔ شوکانی، نیل الاوطار، ج ۷، ص ۱۸۷

۵۰۔ ابوداؤد، السنن، ج ۴، ص ۲۸۴

۵۱۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۴۴۴

۵۲۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۴۲۰

۵۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۶، ص ۲۴۸۸

۵۴۔ الماوردی، الحاوی فی فقہ الشافعی، ج ۱۳، ص ۴۱۲

۵۵۔ الکاسانی، بدائع والصنائع، ج ۷، ص ۳۹

۵۶۔ ایضاً، ج ۷، ص ۳۹، ۴۰

۵۷۔ ایضاً، ج ۷، ص ۳۹

۵۸۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۴۱۷

۵۹۔ النور: ۴

۶۰۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۴۰-۴۲

۶۱۔ المائدہ: ۳۳

۶۲۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، السنن الکبری حیدر آباد دکن، مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ، ۱۳۴۴ھ، ج ۸، ص ۲۴۳

۶۳۔ آلوسی، محمود ابوالفضل، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، بیروت، دار احیاء التراث، س ن، ج ۶، ص ۱۱۹

۶۴۔ المائدہ: ۳۴

۶۵۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن للجصاص، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، ج ۴، ص ۵۲

۶۶۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۹۱، ۹۲

۶۷۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۲۱۸

۶۸۔ ایضاً، ج ۷، ص ۳۹۹

۶۹۔ ایضاً، ج ۷، ص ۳۹۹

۷۰۔ ایضاً، ج ۷، ص ۲۱۸

۷۱۔ ایضاً، ج ۷، ص ۵۰۱

۷۲۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۳۴؛ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابومحمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، ج ۹، ص ۳

۷۳۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۵۰۴

۷۴۔ النسائی، احمد بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن، السنن، حلب، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء، ج ۷، ص ۱۰۴

ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، السنن، بیروت، دار الکتاب العربی، س ن، ج ۴، ص ۲۲۲

۷۵۔ الترمذی، ج ۴، ص ۱۹

۷۶۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، ابوالفضل، فتح الباری شرح صحیح بخاری، بیروت، دار المعرفت، ۱۳۷۹ء، ج ۱۲

۷۷۔ ابن حبان، محمد بن احمد، ابوحاتم، الثقات، بیروت، دار الفکر، ۱۹۷۵ء، ج ۲، ص ۷۵

۷۸۔ احمد بن حنبل، امام، مسند، بیروت، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، ج ۱۰، ص ۱۷۳

۷۹۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۳۵؛ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۵۰۶

۸۰۔ الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۳۴؛ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۷، ص ۵۰۶، ۵۰۷